البشارة فی ان المراد بالتحریک ھو الاشارۃ

والرد علی من رد علی الازالۃ بمعونۃ اللہ التامۃ

تصنیف

الحافظ ابو المحبوب سید انور شاہ راشدی حفظہ اللہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ، أما بعد

کچھ عرصہ قبل راقم نے ایک مقالہ "الاعتصام" شمارہ 48، جلد 63 میں بعنوان "ازالة الشبهة عن عدم تحریک السبابة فی الجلسه مع الاشارة" تحریر کیا تھا جس میں، میں نے زائدہ کی زیادتی کو شاذ اور محمد بن عجلان کی زیادتی کو زیادۃ الثقۃ کے تحت دلائل سے ثابت کر کے محفوظ قرار دیا تھا۔ لیکن میں نے اپنی تحقیق کو حرف آخر نہیں سمجھا اس لئے میں نے اس مسئلہ کے متعلق مزید تحقیق کرنا شروع کر دی الحمدللہ ثم الحمدللہ کچھ عرصہ بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ نہ زائدہ کی وہ زیادتی ہے اور نہ ہی وہ شاذ ہے اور نہ ہی اس کا وہ مطلب ہے جو استمرار تحریک السبابۃ کا مؤقف رکھنے والے سمجھتے ہیں۔

کافی عرصہ سے یہ سوچ رہا تھا کہ اس (مسئلہ) کی وضاحت کیلئے مزید ایک مضمون کو ترتیب دے دیا جائے، لیکن مصروفیات کے باعث اس پر لکھنے سے میں قاصر رہا۔ مزید کچھ مخلص دوستوں نے یہ پر خلوص مشورہ دیا کہ فی الحال آپ اس کے متعلق خامہ فرسائی نہ کریں جب کوئی حضرت یا صاحب علم آپ کی تحریر کا تعاقب کرے یا اس کے متعلق کچھ لکھے تو پھر آپ اس کا جواب بھی لکھیں اور اپنے سابق مضمون کی وضاحت بھی کریں۔ یہ صرف اس لئے کہ ایک ہی مضمون میں دونوں باتوں کی وضاحت ہو جائے گی، اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ خوامخواہ کسی بزرگ یا صاحب علم کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے، یا کسی پر رد لکھا جائے، تنقید برائے اصلاح ہو تو طرفین کے مابین اصلاح کی قوی توقع ہے اور اس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اس کے برعکس اگر تنقید برائے تنقید ہو تو نہ اس سے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی اصلاح کی اُمید کی جاسکتی ہے بلکہ طرفین کے دِلوں میں نفرتیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے تنقید برائے تنقید کا میں کبھی قائل نہیں رہا۔

یہی وجہ ہے کہ ہر وقت میری یہی کوشش رہتی ہے کہ جتنا ہو سکے زیادہ سے زیادہ دلائل پر بحث کی جائے۔ جب کسی

کے پاس دلائل نہیں ہوتے یا ختم ہو جاتے ہیں تو وہ یا تو ذاتیات پر بولنا شروع کر دیتا ہے یا اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے لوگوں کی توجہ کسی اور طرف مبذول کر دیتا ہے، گویا نتیجہ اس کا صفر رہتا ہے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا بہر کیف بات کو مختصر کرتے ہوئے "رسالہ دعوت اہل حدیث" فروری 2012 شمارہ 128 میں محترم جناب ابو محمد ادریس وکیل احمد قاضی آف حیدر آباد نے میرے مضمون کا تعاقب کرتے ہوئے دونوں احادیث (تحریک وعدم تحریک) کے مابین تطبیق دینے کی سعی فرمائی۔

محترم موصوف کے تحریر کردہ مضمون کا میں نے بار بار مطالعہ کیا اور اچھی طرح اس پر غور و فکر کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ

① محترم موصوف اپنے اقوال میں تناقض کا شکار ہیں۔

② ان کا مؤقف کیا ہے اور کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

③ انہوں نے میرے مؤقف کا صحیح طور پر جواب نہیں دیا۔

④ کسی جگہ میری آدھی بات ذکر کر دی (جو شائد ان کے مفاد میں تھی) اور آدھی بات عمداً یا نسیاناً چھوڑ دی۔

محترم مضمون نگار نے یہ مضمون تحریک السبابۃ کو ثابت کرنے کیلئے ترتیب دیا ہے مگر نہ جانے انہوں نے " ثم رفع اصبعہ۔۔۔۔۔الخ" کا یہ ترجمہ: (پھر آپ ﷺ نے اُٹھائی اپنی اُنگلی پس میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کو حرکت دی اور اس کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔) کر کے اپنے مضمون پر پانی پھیر دیا ہے، محترم موصوف نے اس حدیث کا ترجمہ کافی حد تک صحیح کیا ہے، عموماً اصحاب علم اپنی تحریروں کے اندر ان الفاظ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں جس سے استمرار تحریک السبابۃ ثابت ہوتا ہے۔ یہاں اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے جس حدیث کو دلیلاً پیش کیا گیا

ترجمہ کرتے ہوئے اس کی مخالفت کر دی گئی اور عدم تحریک کے قائلین کی موافقت کر دی گئی۔

قارئین کرام! مذکورہ ترجمہ پر تھوڑا سا غور و فکر کریں اور پھر خدا ترس انصاف سے یہ بتائیں کہ یہاں یہ مناسب تھا کہ جو ان کی دلیل ہی نہیں اس کو دلیلاً پیش کیا جا رہا ہے اب جس کو یہاں دلیلاً پیش کیا جا رہا ہے اور جس کی بنیاد پر میرے مضمون کا (کلی طور پر نہ صحیح جزوی طور پر) تعاقب کیا جا رہا ہے اس کا کیا وزن رہا۔

پھر خلاصہ کلام میں فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازی کو تشہد میں اُنگلی کو حرکت نہیں دینی چاہیے اور جب آخری تشہد کے بعد سلام سے پہلے دعا مانگے اس وقت اُنگلی کو حرکت دینا شروع کرے اور دعا مانگنا شروع کرے جیسا کہ حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

محترم مضمون نگار کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ نے جو یہ فرمایا "اس تمام بحث سے ثابت ہوتا ہے۔۔۔ ۔۔۔الخ" اس سے تو آپ جس مؤقف کو ثابت کرنا چاہتے ہیں (یعنی استمرار تحریک) وہ تو ثابت ہی نہیں ہوا جیسا کہ کچھ سطور قبل ذکر ہوا اور اس کی کچھ وضاحت آگے آ رہی ہے۔ مزید یہ کہ آپ نے سب سے الگ تھلک مؤقف اختیار کیا ہے کہ تحریک صرف دعا کے وقت ہو گی تو اس لحاظ سے دو سجدوں کے درمیان بھی تو تحریک ہونی چاہیے مگر آپ نے یہاں بھی اپنی بات کی مخالفت کر دی۔ پھر یہ بات بھی عجیب لگی کہ تحریک صرف دعا کے وقت ہونی چاہیے، حالانکہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس روایت کے صحابی ہیں) اس روایت میں اپنی آنکھوں دیکھا آپ ﷺ کا عمل بیان کر رہے ہیں، تو ان کو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ آپ ﷺ نے تشہد کو ختم کر کے اب دوسری دعائیں شروع کی ہیں جبکہ تشہد وغیرہ سرًا پڑھے جاتے ہیں نہ کہ جہرًا پڑھے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں محترم موصوف ہی ہمیں بتائیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس طرح مطلع ہو سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ابھی دوسری دعائیں شروع کی ہیں۔

مزید یہاں یہ بھی سوال قابل لحاظ ہے کہ آپ ﷺ کے تشہد اور دوسری ادعیہ کے مابین جو تفریق کی جارہی ہے وہ کس قاعدہ یا دلیل کے تحت کی جارہی ھے؟ کیا تشہد دعا نہیں؟ ذرااس کے الفاظ کے معنی پر غور کیا جائے کیا وہ دعائیہ کلمات نہیں؟ آخر دعا کسے کہا جاتا ہے؟ علاوہ ازیں پھر بھی آپ کا یہی مؤقف ہے تو بسم اللہ کر کے آج اعلان کر دیجئے کہ سبابہ کو بلند ہی آخری تشہد کے بعد (جب دوسری دعائیں شروع ہوتی ہیں) کرنا چاہیے نہ تشہد اول اور نہ ہی تشہد ثانی میں۔ اس لئے کہ آپ نے تشہد کو دعا نہیں سمجھا بلکہ آپ نے دوسری ادعیہ اور تشہد کے مابین تفریق کی ہے ۔اور جس روایت سے آپ نے یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے اس سے تو ایک نیا مؤقف ظاہر ہورہا ہے۔

چنانچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ کا ترجمہ کر کے آپ فرماتے ہیں کہ "مذکورہ روایت میں واضح طور پر دعا کے وقت تحریک سبابہ (اُنگلی کو حرکت دینا) ثابت ہے اور روایت بھی صحیح ہے۔ آپ کی بات سے نیا مؤقف یہ ظاہر ہورہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی نماز میں تشہد پڑھا ہی نہیں اس لئے کہ حدیث کے الفاظ ہیں (جو ترجمہ آپ نے کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے اُٹھایا اپنی اُنگلی کو پس میں نے دیکھا کہ آپ نے اس کو حرکت دی اور اس کے ساتھ دعا کر رہے تھے) یعنی آپ ﷺ کے تشہد میں بیٹھنے کے بعد ڈائریکٹ (جیسا کہ حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں) اُنگلی اُٹھائی اور پھر (بقول آپ کے حرکت دی) اور اس کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔ بتائیں اس جگہ تشہد کا ذکر ہے، جبکہ آپ نے اس کو دعاؤں سے خارج کر دیا ہے۔ گویا آپ ﷺ کے تشہد بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے تشہد پڑھے بغیر دوسری دعائیں پڑھنا شروع کر دیں کیونکہ اُنگلی کو اُٹھانا (بقول آپ کے) اُنگلی کو حرکت دینا اور دعائیں پڑھنا تینوں کا ایک ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اب یہ بتائیں کہ آخری تشہد کے بغیر نماز درست ہو گی؟ دیکھیں آپ کی ان باتوں کی زد کہاں کہاں تک پہنچ رہی ہے۔ معاذ اللہ

ہے کوئی شخص جو آپ کی اس بات پر اتفاق کرنے کیلئے تیار ہو؟ جبکہ تشہد نماز میں واجب ہے۔

در حقیقت وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ نے تشہد کو دعا ہی سمجھا ہے اور اس کو دعاؤں میں شامل کیا ہے (جو فی الحقیقت ہے بھی) اس لئے آپ نے فرمایا کہ اُنگلی اُٹھائی اور پھر دعا پڑھنی شروع کر دی۔ اور دعاؤں میں سب سے پہلا نمبر تشہد کا ہے، اب اگر آپ تشہد کو دعاؤں میں شامل سمجھتے ہیں تو جو آپ نے وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے مابین تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اس کا کیا بنے گا؟ جبکہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کو صحیح سمجھا ہے جس میں (بقول آپ کے) مطلقاً عدم تحریک ہے۔ یہاں تین باتیں ہیں:

① اگر ان روایات (تحریک وعدم تحریک) کے مابین تطبیق کرتے ہیں تو لا محالہ آپ کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ آپ ﷺ تشہد نہیں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

② اگر آپ یہ مؤقف اختیار کرتے ہیں کہ تشہد دعا ہے اور آپ نے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کو صحیح بھی سمجھا ہے تو آپ کی بات میں یہ عجیب تناقض ہو گا کہ ایک ہی وقت میں تحریک وعدم تحریک کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ آپ ہی بتائیں کہ یہ ممکن ہے؟ پھر یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ "اجتماع النقیضین محال" یعنی دو تناقضوں کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔ یعنی ناممکن ہے یا تو تحریک ہو گی یا عدم تحریک۔ ان میں سے کوئی ایک ہو گا، مختصراً تحریک وعدم تحریک کا جمع ہونا ناممکن ہے۔

③ آپ تحریک وعدم تحریک کی روایتوں میں سے کسی ایک کو شاذ قرار دیں اور یہ ذہن میں رہے کہ شاذ دلائل کی بنیاد پر قرار دیں، گویا بات وہیں آ کر رُکی کہ قائلین تحریک، عدم تحریک والی روایت کو اور قائلین عدم تحریک، تحریک والی روایت کو شاذ قرار دیتے ہیں۔

موصوف وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس پر اعتراض صرف یہ ہوتا ہے کہ اس روایت میں عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں سے زائدہ بن قدامہ (اوثق) کے سوا کسی نے بھی تحریک السبابہ

کی زیادتی بیان نہیں کی لہذا یہ شاذ ہے۔

اولاً: زائدہ اوثق نہیں بلکہ ثقہ اور ثبت ہے۔

ثانیاً: میں نے زائدہ کی زیادتی کو صرف اسی بنا پر شاذ قرار نہیں دیا تھا جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے بلکہ "الاعتصام" میں، میں نے یہ لکھا تھا کہ: زائدہ کی یہ زیادتی دو طرح سے شاذ اور غیر مقبول ہے:

① اول تو زائدہ نے جو زیادتی بیان کی ہے وہ ان میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کی جو اس سے زیادہ اوثق و اثبت ہیں۔

② دوم یہ کہ اس نے اس روایت کی مخالفت کی ہے جو سنن أبي داؤد اور سنن نسائی (237/2) میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں کہ: بے شک آپ ﷺ اپنی اُنگلی سے (جب دعا پڑھتے) اشارہ کرتے تھے اور اس کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ (شمارہ 48، جلد 63)

اور پھر میں نے اس روایت پر محمد بن عجلان کی تدلیس کے اعتراض کا الحمد للہ جواب بھی دیا تھا، مزید وضاحت کیلئے مذکورہ شمارہ کی طرف مراجعت کی جائے۔

مزید اس روایت کی تائید کیلئے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی پیش کیا تھا جس سے ابن عجلان کی اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔ اگر آپ ان روایات کے مابین تطبیق دینے والے مؤقف سے دستبردار ہوتے ہیں تو لا محالہ آپ کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ ابن عجلان کی زیادتی کو زائدہ کی زیادتی پر ترجیح ہونی چاہیے، بہر کیف یہ دلائل تھے جن کی بنیاد پر میں نے زائدہ کی زیادتی کو شاذ قرار دیا تھا۔ نہ کہ صرف وہ جو آپ نے میری پوری بات کو ذکر کئے بغیر اپنی مرضی کے ایک ٹکڑے کو لے کر میرے مؤقف پر تنقید کرنا شروع کر دی۔ کیا یہ بات آپ کے علم کے شایان شان ہے؟ میں اس کے متعلق کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں یہ میں آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کہ آپ کی اس کے متعلق

کیارائے ہے؟

زائدہ کی زیادتی پر اعتراض کرنے والوں میں، میں بھی شامل ہوں، اور میں نے ایک نہیں دو اعتراض کیے تھے، لہذا آپ پر لازم تھا کہ میرے دونوں اعتراض ذکر کرتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارا بھی یہی مؤقف ہے کہ جس زیادتی سے اوثق کی مخالفت نہ ہوتی ہو یا اس زیادتی کی مخالفت میں کوئی صحیح روایت نہ آئی ہو تو وہ زیادتی شاذ نہیں ہوتی، اس کے برعکس وہ شاذ ہو گی۔ ہمارا قطعاً یہ مؤقف نہیں کہ جو بھی زیادتی بیان کی جائے وہ شاذ ہے بلکہ وہ شاذ ہے جس سے اوثق واثبت کی مخالفت ہوتی ہو۔

تو محترم جناب آپ نے یہ کہاں سے سمجھ لیا کہ میرا مؤقف یہ ہے کہ جو بھی زیادتی بیان کی جائے وہ شاذ ہے، حالانکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ زائدہ نے بھی زیادتی بیان کی ہے اور ابن عجلان نے بھی زیادتی بیان کی ہے لہذا صرف زائدہ کی زیادتی کو قبول اور ابن عجلان کی زیادتی کو کیوں رد کیا جاتا ہے؟ اگر ان زیادتیوں میں سے کسی ایک کو قبول اور رد کرنا ہے تو اس کیلئے کوئی قرینہ یا کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ ابن عجلان کی تدلیس کا میں نے جواب بھی دیا تھا کہ اس کی تدلیس غیر مضر ہے۔ اس کے بعد پھر میں نے زائدہ کی زیادتی کیلئے ایک قرینہ ذکر کیا تھا جو واقدی متروک راوی کی وجہ سے ناقابل حجت ہے اس کے برعکس میں نے محمد بن عجلان والی روایت کی تقویت کیلئے ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا ایک اثر بھی پیش کیا تھا۔ ان دلائل کی بنیاد پر میں نے زائدہ کی زیادتی کو شاذ قرار دیا تھا نہ کہ صرف اس وجہ سے کہ کسی اور نے یہ زیادتی بیان نہیں کی۔ اگر ان دلائل کی بناء پر کوئی بات شاذ نہیں ہوتی تو پھر کس طرح شاذ ہوتی ہے؟ جب میرے ذکر کردہ دلائل یہ ہیں (جن کی بنیاد پر میں نے اس زیادتی کو شاذ قرار دیا تھا) تو محترم ومکرم آپ نے مجھ پر یہ الزام " تو کیا یہ اپنے ہی اصول سے انحراف نہیں " کیوں عائد کیا؟

اصولاً تو آپ پر یہ بات لازم تھی کہ آپ میرے دلائل کا دلائل سے تعاقب کرتے اور ہر دلیل کا دلیل سے جواب

دیتے اور جتنے شبہات تھے ان کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے جس سے کم از کم قارئین الجھنوں کا شکار نہ ہوتے۔
اگرچہ آپ نے میرا کلی طور پر تعاقب کرنے سے گریز کیا ہے کہ قارئین ان الجھنوں سے محفوظ ہو سکیں، مگر میرے مضمون کا کلی طور پر تعاقب نہ کرنے سے قارئین الجھنوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ درحقیقت آپ کی پوری کوشش ان روایات کے مابین تطبیق دینے پر رہی لیکن آپ کی اس تطبیق سے جو باتیں ظاہر ہوئیں ان کی زد کہاں کہاں تک پہنچ رہی تھی اس کا پیچھے ذکر آپ پڑھ آئے ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے متعلق موصوف فرماتے ہیں: حالانکہ یہ اثر تو ان حضرات کی دلیل ہی نہیں بن سکتا کیونکہ اول تو اس اثر میں دعا کے الفاظ موجود نہیں۔ دوم یہ کہ اس اثر میں "ولا یحرکھا" ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی بیان نہیں کیے، جبکہ یہ روایت مسند احمد 2/119، مسند بزار 563 وغیرہ میں "ولا یحرکھا" کے بغیر موجود ہے لہذا ان کے اصول پر یہ الفاظ اضافہ اور شاذ ہوئے، تو کیا پھر دیانتداری سے اپنے اصولوں کے مطابق اسے شاذ ماننے کیلئے تیار ہیں یا پھر۔۔۔۔۔۔؟

اولاً: ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کو تائیداًنہ کہ دلیلاً پیش کیا تھا۔

ثانیاً: میرا قطعاً یہ مؤقف نہیں (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) کہ ہر زیادتی شاذ ہے جو کسی اور نے بیان نہیں کی، بلکہ جس سے اوثق کی مخالفت ہو جائے وہ شاذ ہے۔

ثالثاً: ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اس اثر سے ابن عجلان کی زیادتی کی تائید ہوتی ہے۔

رابعاً: اگرچہ اس روایت میں دعا کے الفاظ نہیں ہیں لیکن سابقہ صفحات میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تشہد دعا ہی ہے لہذا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی اس روایت کا وہی مفہوم ہوا جو ابن عجلان کی روایت کا ہے۔

خامساً: جس کا آپ نے بھی تذکرہ کیا ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود کی نفی نہیں ہوتی، تو اگر آپ نے ابن حبان کی زیادتی کو قبول کیا ہے تو یہاں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر میں دعا قبول کرنے میں آپ کو کیا مانع ہے؟ اگر یہاں دعا کے الفاظ نہیں تو اس کے وجود کا انکار کر دیں گے۔ بہر کیف جو مفہوم ابن عجلان کی روایت کا ہے وہی ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ ہم نے اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے قطعاً صحیح نہیں ہے۔

اس سے کچھ سطور آگے موصوف ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اثر کو حسن لذاتہ تسلیم کرتے ہیں اور محمد بن عجلان کی زیادتی کو شاذ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محمد بن عجلان نے زائدہ کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ سابقہ صفحات میں ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور ابن عجلان کی روایت کا ایک ہی مفہوم ہے یہ کیسا طرز تحقیق ہے کہ ایک ہی مطلب والی روایات میں سے ایک کو صحیح اور دوسری کو شاذ قرار دیں۔ جو الفاظ، جو مفہوم ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کا ہے وہی ابن عجلان کی روایت کا، ان دونوں روایات سے ایک دوسرے کو تقویت ملتی ہے۔

اگر پھر بھی آپ کو اس پر اصرار ہے کہ تحریک دعا کے وقت کرنی چاہیے کہ تحریک کا دعا کے ساتھ ذکر ہوا ہے تو ہم بھی آپ کے اس اصول کے مطابق دو روایات ذکر کر رہے ہیں جن میں دعا کے ساتھ صرف اشارہ کا ذکر ہوا ہے اور آپ سے عاجزانہ التماس ہے کہ آپ اپنے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے ہماری تائید کریں۔ ایک وہی ابن عجلان والی روایت کہ جس میں ہے کہ بے شک آپ ﷺ اپنی اُنگلی سے (جب دعا پڑھتے) اشارہ کرتے تھے۔

(سنن نسائی 2/237)

اس روایت میں اعتراض زیادتی پر ہے، دعا پر نہیں۔

اس جگہ دعا کا صرف اشارہ کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔

دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جس میں ہے کہ: **ورفع اصبعه اليمنى تلى الابهام فدعابها** یعنی آپ ﷺ نے اپنی دائیں اُنگلی کو (جو انگوٹھے سے ملی ہوئی ہے) بلند کیا (گویا یہ اشارہ ہوا) پھر اس کے ساتھ دعا کی۔ (مسند ابی عوانہ 2/225)

اس کے بعد میں کچھ عرض نہیں رکھتا بس آپ سے اُمید ہے کہ آپ اپنے اس اصول کی پاسداری کرتے ہوئے میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اسی مضمون میں کتاب الثقات ابن حبان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اثر بھی پیش کیا گیا تھا اور یہ دعوی کیا گیا تھا کہ شاید آج تک کسی اہل علم و قلم نے اسے بیان نہیں کیا یا شائد انہیں ملا ہی نہیں۔

دراصل یہ بات میں نے اپنے علم کی حد تک کہی تھی جس پر میرے یہ الفاظ "شاید۔۔۔۔الخ" دلالت کر رہے ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں کسی نے یہ اثر بیان نہیں کیا۔ اگر جناب کے علم میں یہ بات ہو کہ کسی نے اسے بیان کیا ہے تو ازراہ کرم مجھے اس سے مطلع فرمادیں، آپ کی عین نوازش ہوگی۔ مزید یہ بھی آپ کو بتاتا چلوں کہ آپ کے مضمون کا نام آپ کے مضمون سے مطابقت نہیں رکھتا مضمون کا نام "ثقہ کی زیادت اور تحریک سبابہ" ہونا چاہیے تھا اس لئے کہ یہ اختلاف رفع سبابہ میں نہیں بلکہ تحریک سبابہ وعدم تحریک سبابہ کے مابین ہے اس لئے مضمون کا نام بھی وہی ہونا چاہیے تھا جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ بہر کیف میں اب بھی اپنے مؤقف پر قائم ہوں کہ نماز میں صرف اشارہ (بغیر استمرار التحریک کے) کرنا چاہیے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ میرے مضمون اور محترم و مکرم ابو محمد ادریس وکیل احمد قاضی حفظہ اللہ کے مضمون کے مابین انصاف سے موازانہ کریں اور پھر بتائیں دلائل کے اعتبار سے کس کا مؤقف قوی ہے۔

آگے ان شاء اللہ میں یہ ثابت کروں گا کہ نہ زائدہ کی یہ زیادتی ہے اور نہ وہ شاذ ہے اور نہ ہی اس کا مفہوم وہ ہے جو عام

طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔مذکورہ باتیں محترم موصوف کے مضمون کے مابین موازنہ کرنے کیلئے رکھی گئی ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ سنن کبری میں زائدہ کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فیحتمل أن یکون المراد بالتحریك الا شارة بها لا تکریر تحریکها فیکون موافقا

لروایة ابن زبیر

یعنی تحریک سے مراد اس (انگلی) سے صرف اشارہ کرنا ہے،بار باراسکو حرکت دینامراد نہیں،اس اعتبار سے یہ روایت ابن الزبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے موافق ہو جاتی ہے۔(۲/ ۱۳۲)

امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ کے اس بیان سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(1) ان کے نزدیک محمد بن عجلان کی روایت **(ولا یحرکھا)** کی زیادتی کے ساتھ قوی ہے،اسی لئے زائدہ والی روایت کو ابن عجلان والی روایت کے (مفہوم کے اعتبار سے)موافق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(2) انہوں نے یہاں جو مفہوم زائدہ کی روایت کا ابن عجلان کی روایت کے موافق لیا ہے وہ بغیر کسی وجہ کے نہیں لیا،بلکہ اس کے پیچھے پوری ایک بحث ہے(جس کا ان شاءاللہ آگے ذکر آرہا ہے) اس بحث کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے یہ بات فرمائی۔

(3) انہوں نے زائدہ کی روایت کے زیر بحث ان الفاظ **(ثم رفع اصبعه فرأیته یحرکها یدعوبها)** سے صرف ایک بار حرکت دینا مراد لیا ہے جس (حرکت) سے سبابہ بلند ہو جاتی ہے اور اس کے بلند ہونے سے اشارہ ہو جاتا ہے،اس لحاظ سے یہ روایت گویا محمد بن عجلان کی روایت کے عین موافق ہو گئی۔عصر حاضر کے جید عالم مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ احکام مسائل میں الفاظ"ثم رفع اصبعه۔۔۔۔" کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے

ہیں: پھر نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی انگلی کو اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اسے حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے (۲۹۲۸) انتہائی معذرت سے عرض کرتا ہوں کہ مذکورہ الفاظ کا یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ پھر بلند کیا آپ ﷺ نے اپنی انگلی کو پس میں نے آپکو اپنی انگلی کو حرکت دیتے ہوئے دیکھا جس سے دعا کر رہے تھے۔

اس ترجمہ کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس سے استمرار التحریک ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ایک بار حرکت دینا ثابت ہو رہا ہے بار بار حرکت دینا نہیں، اسلئے کے "**فرأيته**" میں حرف فاء تفسیر یہ ہے، اور اس فاء کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے ماقبل لفظ یا جملہ کی وضاحت کرتی ہے یعنی وہ لفظ یا جملہ مجمل ہوتا ہے تو اسکی وضاحت کیلئے فاء تفسیر یہ لائی جاتی ہے جس سے پہلے لفظ یا جملہ کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

معزز قارئین کیلئے اس فاء تفسیر یہ کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں تاکہ زیر بحث الفاظ کو سمجھنے میں آسانی رہے۔

سورہ ھود میں اللہ تعالی فرماتا ہے: **ونادى نوح ربه فقال رب ان ابنى من اهلى وان وعدل الحق وانت احكم الحاكمين** اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اور پکارا نوح علیہ السّلام نے اپنے رب کو پس کہا اے میرے پروردگار بیشک میرا بیٹا میرے ہی اہل میں سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں "**ونادى نوح ربه**" مجمل جملہ **فقال رب ان ابنى من اهلى---------**اس کی تفسیر ہے کہ نوح علیہ السّلام نے کیا آواز لگائی؟ یعنی اس نداء کی وضاحت ہے، اسطرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نوح علیہ السّلام اپنے رب کو پکار کر اس کے کیے ہوئے وعدہ کی یاد دہانی کرا رہے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ "**ونادى-----**" کے بعد فقال فاء تفسیر یہ ہے اسکو ذکری اور تفصیلی بھی کہتے ہیں۔

اور اگر اس آیت کا ترجمہ اسطرح کیا جائے اور پکارا نوح علیہ السّلام نے اپنے رب کو پھر کہا، تو اسطرح یہ دو

جملے ہو جاتے ہیں اور پھر اس میں یہ بات پوشیدہ رہ جاتی ہے کہ وناد ی نوح میں انہوں نے اللہ تعالی کو کیا آواز لگائی؟تو اس لحاظ سے یہ جملہ مجمل ہی رہ جاتا ہے۔

دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں

سورۂ اعراف میں اللہ تعالی فرماتا ہے: وكم من قرية أهلكنها فجاءها بأسنا بياتا وهم نائمون

ترجمہ یہ ہے: اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا پس ہمارا عذاب اچانک آیا وہ سو رہے تھے۔

پہلے جملہ میں بستیوں کی مطلق ہلاکت کی خبر ہے اور دوسرے جملہ میں اسکی وضاحت ہو رہی ہے کہ ان بستیوں کو کس طرح تباہ وبرباد کیا گیا۔

اگر اس آیت میں فاء تفسیریہ کا انکار کیا جائے تو اس کا ترجمہ اس طرح ہو گا اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا پھر ہمارا عذاب اچانک آیا وہ (لوگ نیند میں سو رہے تھے)۔

اس ترجمہ سے یہ مطلب نکل رہا ہے کہ ان بستیوں کو پہلے ہلاک وبرباد کیا گیا تھا پھر اس کے بعد اللہ تعالی کا ان بستیوں پر عذاب نازل ہوا۔

اب ان بستیوں کو برباد کرنے کے بعد ان پر عذاب آنا کوئی معنی نہیں رکھتا، دوسری بات یہ کہ یہ بستیاں جب برباد ہو گئیں تو لوگوں کا نیند میں سونا بعید از عقل ہے، لہذا یہ بات ماننا پڑے گی، یہاں بھی فاء تفسیریہ ہے جو اپنے ماقبل جملہ کی وضاحت کر رہی ہے۔اس طرح ترجمہ صحیح ہو جاتا ہے۔

تنبیہ: یہ بات ذہن میں رہے کہ مجمل لفظ یا جملہ کی تفسیر اس طرح کی جاتی ہے کہ اس (مجمل لفظ یا مجمل جملہ) کے معنی میں تفسیر کرتے وقت فرق نہ آئے۔

اسی طرح تیسری مثال ملاحظہ فرمائیں

اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں فرماتا ہے: فقد سألوا موسی اکبر من ذلك فقالوا أرنا الله جهرة

ترجمہ یہ ہے: انہوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ علیہ السّلام سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کیا، اور دوسرے جملہ میں اس کی وضاحت ہو رہی ہے کہ وہ بڑی چیز اللہ تعالیٰ کو ظاہر ظہور دیکھنے کا سوال ہے۔

اور اگر اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السّلام سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کیا، پھر انہوں نے کہا.........الخ

اس طرح ترجمہ کرنے سے لگتا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السّلام سے دو بڑی باتوں کا سوال کیا، ایک "اکبر من ذلك" دوسری "فقالوا أرنا الله جهرة" اور پہلے سوال کا علم نہیں کہ انہوں نے کیا سوال کیا؟

حالانکہ یہ بات قطعاً صحیح نہیں، بات بالکل واضح ہے۔

بہر کیف بات کو مختصر کرتے ہوئے ہم زیر بحث الفاظ کی طرف آتے ہیں کہ "فرأيته يحركها" میں فاء تفسیر یہ ہے جو "ثم رفع" کی تفسیر (وضاحت) کر رہی ہے، اب رفع کی تفسیر کیسی ہونی چاہیے۔ رفع کا معنی ہے کہ آپ نے بلند کیا، اب بلند ایک مرتبہ حرکت دینے سے ہوتا ہے یا بار بار حرکت دینے سے، پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مجمل کی جس وقت تفسیر کی جا رہی ہو تو یہ بات ذہن میں رہے کہ معنی میں کوئی فرق نہ آئے، اگر اس کی تفسیر ہم بار بار حرکت دینا کریں گے تو یہ رفع کی تفسیر نہیں۔

دراصل اس روایت میں راوی پہلے مجمل لفظ لاتا ہے، پھر اسکی تفسیر کرتا ہے، جیسے تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کو بیان کرتا ہے، تو پہلے " ثم قعد" کا لفظ کہتا ہے پھر بیٹھے آپ ﷺ ؟ آپ کس طرح بیٹھے ؟ تو اس کی تفسیر کیلئے یہ جملہ "فافترش رجله اليسرى....الخ" بیان کیا، یعنی بیٹھنے کی کیفیت یہ ہے کہ پس آپ ﷺ نے اپنا پاؤں بچھایا

.....الخ

اگر کہا جائے اس میں فاء تفسیر یہ نہیں تو اسکا مطلب یہ ہو گا کہ آپ ﷺ بیٹھے یعنی پوری طرح بیٹھنے کے بعد اپنا پاؤں بچھایا۔

بہر کیف "ثم قعد" کے بعد پورا جملہ اسکی تفسیر ہے، اس لحاظ سے اس معنی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بعینہ اسی طرح یہاں بھی یہی صورتحال ہے کہ پہلے "ثم رفع" کا لفظ ذکر کیا کہ، پھر بلند کیا اپنی انگلی کو، انگلی کو کس طرح بلند کیا؟ فرأيته يحركها کہہ کر اسکی تفسیر کر دی کہ میں نے آپ کو اپنی انگلی کو حرکت دیتے ہوئے دیکھا جس سے وہ بلند ہو گئی یعنی حرکت دینے سے سبابہ بلند ہو گئی اور اس کے بلند ہونے سے اشارہ ہو جاتا ہے۔ بعض رواۃ نے الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے یعنی اشارہ اور بعض نے رفع کا لفظ بیان کیا ہے اور زائدہ نے حدیث کے مکمل الفاظ (مفہوم کے بجائے) بیان کئے ہیں۔

گویا زائدہ نے روایت بالمعنی کے بجائے روایت بالفاظ سے کام لیا ہے ابن حبان رحمہ اللہ کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شائد وہ روایت بالمعنی کرتے ھی نہیں تھے، چنانچہ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں " كان من الحفاظ المتقنين وكان لا يعد السماع حتى يسمه ثلاث مرات"

یعنی وہ (زائدہ) حفاظ، متقنین میں سے ہیں اور وہ ایک بار سماع کو کافی نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ اس کو تین بار نہ سن لیں۔ (کتاب الثقات: ۶/ ۳۴۰)

ابن حبان رحمہ اللہ کے اس بیان سے تو ہمیں یہی سمجھ آرہا ہے کہ ان کا کسی بات کو تین بار سننا اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ ان الفاظ کو اچھی طرح محفوظ کر سکیں اور ان کو بعینہ اسی طرح بیان کر سکیں، لہذا ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ وہی ہیں جو زائدہ نے بیان کئے ہیں، باقی دوسروں نے ان الفاظ کا جو مفہوم ہے وہ بیان کیا ہے۔

اگر ان الفاظ کو نہ ذکر کیا جاتا تب بھی بات بالکل واضح ہے، یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی رفع کا لفظ بیان کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس کی تفسیر بیان نہیں کی۔ اسلئے کہ اسکی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

غالباً امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے کہ زائدہ کے ان الفاظ سے استمرار التحریک مراد نہیں یہ بات ان کے باب سے مترشح ہوتی ہے جو انہوں نے زائدہ کی اس روایت پر قائم فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: باب صفة وضع اليدين على الركبتين فى التشهد وتحريك السبابة عند الاشارة بها یہ باب اصل میں اس طرح ہے: باب صفة وضع اليدين على الركبتين فى التشهد وصفة تحريك السبابة عند الاشارة بها۔ اسلئے کہ و "تحریک" میں واؤ عاطفہ ہے جس کا عطف صفة پر پڑ رہا ہے، گویا اس باب میں دو باتوں کی صفت بیان کی گئی ہے۔

(۱) تشہد میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی صفت

(۲) سبابہ کو اشارہ دیتے وقت حرکت کی صفت

اس حدیث میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کی صفت تو مذکور ہے مگر تحریک کی صفت کیا ہونی چاہیے؟

اگر اس جگہ استمرار التحریک کی صفت مراد ہے، تو وہ ہمیں نظر نہیں آرہی، یہی وجہ ہے کہ ہم نے کئی بار لوگوں کا مشاہدہ کیا ہے کہ بعض الناس سبابہ کو آہستہ آہستہ ہلاتے ہیں اور بعض تیز، بعض وقفہ سے اور بعض بلا وقفہ۔

یہ تنقید نہیں بلکہ اپنا مشاہدہ بیان کر رہا ہوں، میری یہ بات اگر کسی پر گراں گزری ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

اور اگر سبابہ کو ایک مرتبہ حرکت دینے کی صفت مراد ہے تو وہ سنت موجود ہے، یعنی حرکت کی صفت ایسی ہو کہ جس

سے سبابہ بلند ہو جائے، "وصفة تحریک السبابة عند الاشارة بها"۔ کا یہی مطلب ہے کہ اس (سبابہ) کو اشارہ دیتے وقت یعنی ابتدا میں حرکت دینا، یہ مطلب نہیں کہ اشارہ کی حالت میں اس بات کو اس مثال سے سمجھیں۔

کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه عند الرکوع وعند رفع الرأس منه وعند الرکعة الثالثة

یعنی آپ رکوع میں جاتے ہوئے اور اس (رکوع) سے سر اٹھاتے ہوئے اور تیسری رکعت میں جاتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے۔

اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ جیسے ہی رکوع میں جاتے..... الخ یعنی رفع الیدین شروع میں ہوتا تھا۔ بعینہ اسی طرح یہ حرکت اشارہ دیتے وقت یعنی اشارہ کے شروع میں ہونی چاہیے جس حرکت سے اشارہ ہو جائے نہ کے اشارہ کے ساتھ مسلسل حرکت ہو۔

مذکورہ مثال کو سمجھنے سے ان شاء اللہ یہ بات سمجھ آجائے گی بہر کیف اس اعتبار سے حدیث اور باب میں مطابقت ہو جاتی ہے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا، گویا امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی بات کا ایک ہی مفہوم ہوا۔

دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے کہ "یدعوبها" کا یہ جو ترجمہ (اس سے دعا کر رہے تھے) کیا جاتا ہے تو "اس سے" کیا مراد ہے؟

دوسرے لفظوں میں "بها" کی "ها" کا مرجع کیا ہے؟ انگلی یا استمرار التحریک؟ اگر اس "ها" کا مرجع انگلی کو قرار دیا جائے تو یہ قوائد نحویہ کے خلاف ہے، اسلئے کا ضمیر کا مرجع عموماً وہ ہوتا ہے جو اس کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور یہاں "ها" کے قریب استمرار التحریک ہے انگلی نہیں لہذا اس اعتبار سے اس "ها" کا مرجع استمرار التحریک ہونا چاہیے۔ لیکن اس کیلئے پھر "ها" مؤنث ضمیر کو ہٹا کر مذکر ضمیر کو لانا پڑے گا اسلئے کہ تحریک مذکر ہے

مؤنث نہیں تو ضمیر بھی مؤنث آنی چاہیے۔ گویا اس سے ثابت ہوا کہ اس جگہ استمرار التحریک کا وجود ہی نہیں ورنہ مؤنث ضمیر کی بجائے مذکر کی ضمیر ہوتی جو استمرار التحریک کی طرف لوٹتی۔

بہر کیف مذکورہ تحریر سے یہ ثابت ہوا کہ سبابہ کو بار بار حرکت دینا مراد نہیں بلکہ صرف ایک دفعہ حرکت دینا مراد ہے جو رفع کی تفسیر ہے۔

خلاصہ کلام جہاں تک میں سمجھا ہوں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان باتوں کے پیش نظر ابن عجلان کی روایت سے ایک مرتبہ حرکت دینا مراد لیا ہے، اس طرح امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے مؤقف کو بھی ذکر کیا گیا غالباً ان کا بھی یہی مؤقف ہے

واللہ اعلم بالصواب۔

آخر میں قارئین بالخصوص اہل علم حضرات سے عاجزانہ التماس ہے کہ ان شاءاللہ وہ میری حق کی طرف راہنمائی فرمائیں گے اور میں اَقرب الی الصواب مؤقف کو بخوشی قبول کرلوں گا کہ اصل میں عمل سنت الرسول ﷺ پر کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے پر۔ میری رائے یقیناً غلط ہو سکتی ہے، میں نے سنت کا صحیح مفہوم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ویسے بھی اپنی رائے اور عقل کو حدیث کے پیچھے چلانا چاہیے، حدیث کو ان دونوں کے پیچھے نہیں چلانا چاہیے، اور اس کا مرتکب بدعتیوں میں شمار ہوتا ہے جیسے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب رفع الیدین میں امام وکیع رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومن طلب الحديث ليقوى هواه فهو صاحب بدعة

(جلاءالعینین:۱۰۵)

کہ جو حدیث کو اسلئے حاصل کرتا ہے کہ اس سے اپنی خواہش کو تقویت دے تو وہ بدعتی ہے

اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ جو صرف اپنی آراء کو اہمیت دیتا ہے اور احادیث کو ان کے پیچھے چلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ

جابجا تناقضات کا شکار ہوتا رہتا ہے اور دین کی خدمت کرنے کے بجائے خود کو بدعتیوں میں شمار کرواتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے کہ اس سے ساری کوششیں بے وزن ہو کر رہ جاتی ہیں، بہر کیف میں نے جس کو صحیح سمجھا وہ لکھا اور قارئین کو اس سے آگاہ کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو حدیث کا صحیح فہم عطا فرمائے ور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب